



**Aamir Rasheed**

**Email: [aamirrasheed1715@gmail.com](mailto:aamirrasheed1715@gmail.com)**

PhD Urdu Scholar, Allama Iqbal Open University, Islamabad

**Dr Rauf Parekh**

**Email: [draaufparekh@yahoo.com](mailto:draaufparekh@yahoo.com)**

Director General, National Language Promotion Department, Islamabad

## آغازِ زبانِ اردو کے روایتی نظریات: تحقیقی و تنقیدی جائزہ

### A CRITICAL ANALYSIS OF TRADITIONAL THEORIES OF ORIGIN OF URDU LANGUAGE

DOI: <https://doi.org/10.56276/tasdiq.v4i02.132>

#### ABSTRACT:

Urdu is the third largest language spoken in the world. Many traditional theories were in vogue, as far as their origin is concerned, before the advent of modern linguistics. Mir Aman Dehlvi in the foreword of his famous "Bagh -o-Bahar" claimed that Urdu originated in an "army camp or Bazar" for which it was termed as "Urdu zaban or Lashkari zaban (the language of army camp)" and used for communication in the era of Mughal emperor Akbar. This theory misled many scholars and various traditional theories were presented by them based on Mir Ama's formula of language construction. The present article is an Explorative and Critical Analysis of Traditional Theories of the Origin of Urdu.

#### KEYWORDS:

Urdu, Origin, Army, Camp, Akbar, Delhi, Languages, Linguistics

انسان کا اصلی شرف اس کی قوتِ گویائی ہے جس سے وہ اپنے خیالات و احساسات کا اظہار کرتا ہے۔ اظہار کے یوں تو اور بھی کئی ذرائع ہیں، مثلاً: جسمانی اشاروں کے ذریعے اظہار، تصویروں اور خاکوں کے ذریعے اظہار، علامتوں اور نقوش کے ذریعے اظہار وغیرہ؛ تاہم زبان سے مراد آوازوں اور لفظوں کے ذریعے اظہار ہے، چاہے تقریری صورت میں ہو یا تحریری صورت میں ہو۔  
زبان کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ خود انسان کی۔ انسان نے اسے معاشرتی ضرورتوں کے تحت خود ایجاد کیا یا یہ انسان کے

ساتھ ہی زمین پر آئی؟ ایسے سوالات کا تعلق ابتدائے زبان سے زیادہ آغازِ حیاتِ انسانی سے ہے۔ اگر انسان اسی زمین پر ایک خلیے سے ارتقا پذیر ہوا اور صدیوں میں اس کی موجودہ صورت ظاہر ہوئی تو زبان کی ایجاد بھی بلاشبہ انسان ہی کا قابلِ تعریف کارنامہ ہے۔ اگر انسان کو اللہ نے جنت سے اس زمین پر اتارا تو یقیناً زبان عطیہ خداوندی ہے۔ بہر حال زبان ہمیشہ سے انسان کے غور و فکر کا محور رہی ہے اور اسی فکرِ انسانی نے زبان کے آغاز و ارتقا سے متعلق بہت سے نظریات کو جنم دیا۔ جیسے جیسے انسان اپنے ارتقا کے ساتھ مختلف علاقوں، نسلوں اور رنگوں میں منقسم ہوتے چلے گئے، ویسے ویسے ان کی زبانیں بھی مختلف خاندانوں میں تقسیم ہوتی چلی گئیں۔

زبانوں کو ان کے اختلافات کے پیش نظر دو طریقوں سے تقسیم کیا جاتا ہے:

۱۔ زبانوں کی نسلی یا تاریخی تقسیم

۲۔ زبانوں کی قواعدی تقسیم

نسلی یا تاریخی اعتبار سے ماہرین دنیا کی زبانوں کو سات سے دس مختلف گروہوں میں تقسیم کرتے ہیں، جن میں سے اہم یہ ہیں:

۱۔ ہند یورپی (Indo-European) ۲۔ افریقی ایشیائی (Afro-Asiatic)

۳۔ چینی تبتی (Sino-Tibetan) ۴۔ الطائی (Altic)

۵۔ دراوڑی (Dravidian) ۶۔ آسٹرو ایشیائی (Austro-Asiatic)

۷۔ فنو اگریک (Fino-Ugric)

قواعدی تقسیم ارتقاے زبان کے مختلف مراحل کو ظاہر کرتی ہے، قواعدی یا صورتی اعتبار سے دنیا کی تمام زبانوں کو تین یا

چار گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱۔ یک رکنی یا تجریدی گروہ (Mono-Sylabic or Isolating) ۲۔ تالیفی یا اتصالی گروہ (Agglutinating)

۳۔ تصریفی گروہ (Inflectional)

۴۔ تحلیلی گروہ (Analytical)

ہر زبان کا تعلق کسی نہ کسی مخصوص قواعدی یا نسلی و تاریخی گروہ سے ہوتا ہے اور اسی طرح اس کے آغاز و ارتقا کا بھی اپنا پس

منظر ہوتا ہے۔ اردو موجودہ زبانوں میں خاص طور پر اہمیت کی حامل ہے، اس کے بولنے والے دنیا کے تقریباً تمام علاقوں میں پائے جاتے

ہیں اور بولنے والوں کی تعداد کے اعتبار سے یہ دنیا کی تیسری بڑی زبان ہے۔

اردو زبان کے آغاز و ارتقا سے متعلق مشرقی و مغربی مصنفین و ماہرین نے مختلف نظریات پیش کیے ہیں۔ اول اول اردو زبان کے

آغاز سے متعلق نظریات پیش کرنے والے ایسے مصنفین تھے جن کا اصل میدان لسانیات نہ تھا؛ بل کہ انھوں نے سرسری طور پر اردو کے

آغاز سے متعلق چند سطور اپنی تصانیف میں قلمبند کر دیں، ایسے نظریات کو روایتی نظریاتِ آغازِ زبانِ اردو کہا جاسکتا ہے۔ آغازِ زبانِ اردو

سے متعلق سب سے پہلا نظریہ میرامن کا سامنے آتا ہے۔ میرامن ”باغ و بہار“ (۱۸۰۲ء) کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

”حقیقت اردو زبان کی بزرگوں کے منہ سے یوں سُنی ہے کہ دلی شہر ہندوؤں کے نزدیک چوہجلی ہے، انہیں کے راجا پر جا قدیم سے وہاں رہتے تھے اور اپنی بھاکا بولتے تھے۔ ہزار برس سے مسلمانوں کا عمل شروع ہوا۔ سلطان محمود غزنوی آیا، پھر غوری اور لودھی بادشاہ ہوئے۔ اس آمد و رفت کے باعث کچھ زبانوں نے ہندو مسلمان کی آمیزش پائی۔ آخر تیمور نے (جن کے گھرانے میں اب تلک نام نہاد، سلطنت کا چلا جاتا ہے) ہندوستان کو لیا۔ اُن کے آنے اور رہنے سے لشکر کا بازار شہر میں داخل ہوا، اس واسطے شہر کا بازار اردو کہلایا۔ پھر ہمایوں بادشاہ پٹھانوں کے ہاتھ سے حیران ہو کر ولایت گئے، اور آخر وہاں سے آن کر پیمانوں کو گوشمالی دی۔ کوئی مفسد باقی نہ رہا کہ قنہ و فساد برپا کرے۔

جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں طرف کے ملکوں سے قوم، قدر دانی اور فیض رسانی اس خاندان لاثانی کی سن کر حضور میں آکر جمع ہوئے۔ لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جُدی جُدی تھی۔ اکٹھے ہونے سے آپس میں لین دین، سودا سلف، سوال و جواب کرتے، ایک زبان اردو کی مقرر ہوئی۔“ (۱)

میرامن کے اس مبہم بیان نے بعد کے بہت سے مشرقی و مغربی ماہرین کو دھوکے میں ڈال دیا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ اردو مختلف زبانوں سے مل کر بنی اور زبانوں کا یہ ملاپ عہد اکبری میں بازارِ دہلی میں عمل میں آیا۔ سب سے بڑی غلط فہمی جو بعد کے مصنفین کو ہوئی وہ یہ کہ مختلف زبانوں کے ملنے سے ایک نئی زبان بن جاتی ہے؛ زبان کے بننے سے متعلق یہ اصول گمراہ کن ثابت ہوا۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری اس نظریے کو ان الفاظ میں ہدف تنقید بناتے ہیں:

”ایک نظریہ جسے میں غیر سنجیدہ سمجھتا ہوں یہ ہے کہ اردو کچھڑی ہے۔ چڑیالائی چانول کا دانہ چڑیالا یا مونگ کا دانہ دونوں نے مل کے کچھڑی پکائی۔ عربی و فارسی الفاظ مسلمان اپنے ساتھ لائے، ہندوؤں نے ہندی افعال و حروف فراہم کیے، ہندو مسلمانوں کے میل ملاپ سے اردو نے مغلوں کے زمانے میں یا اس سے کچھ پہلے جنم لیا۔“ (۲)

اگرچہ میرامن نے یہ کہیں نہیں کہا کہ ہندو مسلم ملاپ سے ایک نئی زبان بنی؛ تاہم ان کے الفاظ سے اردو کے ملوایا زبان ہونے کا تاثر سامنے آیا، جس نے ایک طرف امام بخش صہبائی، غالب، سرسید وغیرہ کو دھوکے میں ڈالا تو دوسری طرف گریسن، ہورن لے اور وائٹ برجٹ جیسے مغربی ماہرین بھی اسی ملوایا زبان والے نظریے سے متاثر نظر آئے۔

جولز بلوک میرامن کے نظریے سے متعلق لکھتے ہیں:

"His wording is sometimes obscure, and that he mixes social and linguistic matters." (۳)

حافظ محمود شیرانی میرامن کے نظریے پر سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا اکبر بادشاہ جہاں سے پہلے دلی نہ تھی یا ہندو اور مسلمان نہ تھے یا

لوگ سودا سلف نہیں لیتے تھے؟

میرامن ہی سے ملتا جلتا نظریہ سید انشا اللہ خاں انشانے ”دریائے لطافت“ (۱۸۰۱ء) میں پیش کیا، اُن کے الفاظ یہ ہیں:

”یہاں دہلی کے خوش بیانوں نے متفق ہو کر متعدد زبانوں سے اچھے اچھے لفظ نکالے اور بعضی عبارتوں اور الفاظ میں تصرف کر کے اور زبانوں سے الگ الگ ایک نئی زبان پیدا کی جس کا نام ”اردو“ رکھا۔“ (۴)

”اردو کے اجزائے ترکیبی سے متعلق لکھتے ہیں:

”اردو زبان کئی زبانوں سے مل کر بنی ہے، جیسے عربی، فارسی، ترکی، پنجابی، پوربی، اور برجی، وغیرہ۔“ (۵)

انشا اللہ خاں انشا کے ان بیانات سے یہ نتائج نکلتے ہیں:

۱۔ اردو زبان شعوری عمل کی پیداوار ہے۔

۲۔ عوام کے بجائے خاص خاص زبان دانوں نے باہمی مشورے اور افہام و تفہیم سے اردو سازی کا یہ عمل سرانجام دیا۔

۳۔ ان علما کا مقصد تمام زبانوں سے الگ ایک نئی زبان بنانا تھا۔

۴۔ خوش بیانوں کی یہ مساعی بار آور ثابت ہوئیں اور ایک نئی زبان بنا دی گئی، جس کا نام ”اردو“ رکھا گیا۔

۵۔ نئی زبان (اردو) عربی، فارسی، ترکی، پنجابی، پوربی، اور برجی کے الفاظ اور عبارتوں کو ان زبانوں سے الگ کر کے یا پھر ان کے

الفاظ اور عبارتوں میں تصرف کر کے بنائی گئی۔

اس طرح کے بیانات خوش بیانی ہی کہے جاسکتے ہیں، کیوں کہ آج تک ایک بھی نئی زبان اس طرح نہیں بنائی جاسکی۔ انشا اللہ خاں

انشا کے بیانات میرامن کے بیان سے بھی زیادہ حقیقت سے دور ہیں۔ حافظ محمود شیرانی ”رسالہ قواعد اردو“ کے حوالے سے امام بخش صہبائی کا بیان نقل کرتے ہیں:

”شاہ جہاں آباد تیمور یہ خاندان کے شاہ جہاں نے آباد کیا۔ اس وقت فارسی کے بعض الفاظ اور ہندی کے اکثر لفظوں میں

کثرت استعمال کے سبب تبدیل و تغیر واقع ہوا اور اس خلا ملا سے جو بولی مروج ہوئی۔ اس کا نام اردو ٹھہرایا۔“ (۶)

امام بخش صہبائی کا بیان بھی اسی روایت کا پاس دار ہے، جو میرامن سے چلی تھی۔

سرسید احمد خاں بھی ”آثار الصنادید“ میں کچھ اسی طرح کا نظریہ پیش کرتے ہیں:

”جب کہ شہاب الدین شاہ جہاں بادشاہ ہوا اور اس نے انتظام سلطنت کیا اور سب ملکوں کے وکلاء کے حاضر رہنے کا حکم دیا اور

دلی شہر کو نئے سرے سے آباد کیا اور قلعہ بنایا اور شاہ جہاں آباد اس کا نام رکھا اور اس وقت اس شہر میں تمام ملکوں کے لوگوں

کا مجمع ہوا پر ہر ایک کی گفتار رفتار جدا جدا تھی۔ ہر ایک کا رنگ ڈھنگ نہ الّا تھا۔ جب آپس میں معاملہ کرتے لاجار ایک لفظ

اپنی زبان کا دو لفظ اس کی زبان کے تین لفظ دوسرے کی زبان کے ملا کر بولتے اور سودا سلف لیتے۔ رفتہ رفتہ اس زبان نے ایسی

ترکیب پائی کہ یہ خود ایک نئی زبان ہو گئی۔ اور جو کہ یہ زبان خاص بادشاہی بازاروں میں مروج تھی اس واسطے اس کو زبان

اردو کہا کرتے تھے۔“ (۷)

امام بخش صہبائی اور سرسید احمد خاں میرامن کے برعکس اردو کے عہد شاہ جہانی میں پیدائش کے قائل ہیں۔ اردو عہد اکبری میں کیوں پیدا نہ ہو سکی؟ اس کا جواب سرسید کے مطابق یہ ہے کہ: اکبر کے زمانے میں فارسی اس قدر زیادہ تھی کہ لوگ اور کس طرف متوجہ ہی نہ ہوتے تھے۔ تاہم یہ دونوں اصحاب اردو کو دوسری زبانوں کے اختلاط ہی کا نتیجہ خیال کرتے ہیں۔ سید قدرت نقوی ”لسانی مقالات (حصہ دوم)“ میں غالب کا بیان نقل کرتے ہیں:

”اردو آگے مرکب تھا عربی اور فارسی اور ہندی اور ترکی ان چار زبانوں سے اب پانچویں زبان یعنی انگریزی بھی اس میں شامل ہو گئی۔ دیکھو گنجائش اردو کی کہ پانچوں زبانوں کو کس لطف سے حاوی ہوئی ہے اور یہ زبانیں اس میں کس طرح سما گئی ہیں کہ کوئی زبان اوپری نہیں معلوم ہوتی۔“ (۸)

سید قدرت نقوی کے مطابق دراصل ان بزرگوں نے بات تو شمولیتِ الفاظ کی کی؛ لیکن لفظ ”زبان“ کا استعمال کیا، جس سے عام اذہان ہی نہیں خاص بھی غلط فہمی کا شکار ہو کر اردو زبان کو ”مخلوط کچھڑی“ کہنے لگے۔ غالب کے بیان سے بھی یہ ہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جہاں انگریزی زبان کی بات کر رہے ہیں تو ان کی مراد صرف ذخیرہ الفاظ سے ہے۔ اردو کو مخلوط یا ملوایا زبان کہنے کا یہ سلسلہ انیسویں صدی کے بعد بیسویں صدی میں بھی جاری رہا۔

حکیم شمس اللہ قادری ”اردوئے قدیم“ (اشاعت اول: ۱۹۲۹) میں ہندو مسلم تمدن کے اختلاط سے تیسرے تمدن کی تشکیل کی بات کرتے ہوئے زبان سے متعلق لکھتے ہیں:

”فاتحین (مسلمان) اپنی زبان کو ہندوستان میں عام نہ کر سکے لیکن ہندوؤں کی زبان بھی ان کی عام زبان نہ ہو سکی۔ بلکہ دونوں اقوام کی زبانوں کے اختلاط سے ایک تیسری زبان وجود میں آئی جو اردو کے نام سے مشہور ہے۔“ (۹)

جو بات جو بلوک نے میرامن کے نظریے سے متعلق کہی کہ: انہوں نے معاشرتی اور لسانیاتی معاملات کو گڈ مڈ کر دیا؛ وہی بات حکیم شمس اللہ قادری کے نظریے سے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی جیسے ماہرین بھی ان روایتی نظریات کے زیر اثر نظر آتے ہیں، ”ادب اور لسانیات“ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

”یہ ایسی زبان نہیں جسے مسلمان اپنے ساتھ عرب، ایران، افغانستان یا ترکستان سے لائے ہوں نہ یہ ایسی زبان ہے جو یہاں پہلے سے موجود تھی اور مسلمانوں نے عربی، فارسی یا ترکی چھوڑ کر اسے اختیار کیا ہو بلکہ ان دونوں کے اتحاد، موانست اور ربط و ارتباط نے اس کی تخم ریزی کی اور جب دو قومیں مل کر شیر و شکر ہو گئیں تو اس نخل کی آبیاری ہونے لگی یہاں تک کہ یہ شاندار درخت بن گئی۔“ (۱۰)

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اردو کو ”لشکر“ یا ”شاہجہانی بازار“ کی پیداوار تو نہیں مانتے؛ تاہم اسے ہندو مسلم اختلاط ہی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ اور بھی کئی اصحاب کے ہاں اردو کے آغاز سے متعلق ایسی ہی آرا پائی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کو چھوڑ کر باقی اکابرین کے

خیالات و نظریات کو حافظ محمود شیرانی کے مطابق: بزرگوں کے تبرک کے طور پر تسلیم کرنا چاہیے؛ اسی طرح سید سلیمان ندوی انھیں ”بزرگوں کی کہانیاں“ قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ اس قسم کے نظریات کو یوں ہدف تنقید بناتے ہیں:

”ڈھانچا یا کینڈا تیار ہوتا ہے۔ محض دو زبانوں کا باہم اختلاط وارتباط یا غلاما، ایک نئی زبان کی تشکیل پذیری کے لیے کافی نہیں ہوتا۔“ (۱۱)

اسی طرح سید قدرت نقوی لکھتے ہیں:

”دنیا میں کوئی زبان مخلوط نہیں ہے کہ دو یا زیادہ زبانوں سے مل کر کوئی نئی زبان بنی ہو۔“ (۱۲)

ایسے نظریات سے جو غلط فہمیاں عام ہوئیں، وہ یہ ہیں:

- ۱- اردو مخلوط زبان ہے۔
- ۲- اردو لشکری زبان ہے۔
- ۳- یہ ہندو مسلم اختلاط کا نتیجہ ہے۔
- ۴- یہ ہندو مسلم اختلاط دہلی میں ہوا۔
- ۵- اردو کی پیدائش کا زمانہ عہد اکبری یا عہد شاہ جہانی ہے۔

مولانا حافظ محمود شیرانی، سید سلیمان ندوی، ہاشمی فرید آبادی، شوکت سبزواری اور مرزا خلیل احمد بیگ سمیت اکثر مشرقی و مغربی محققین نے اس قسم کے نظریات کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ بعد ازاں کئی نئے نظریات آغاز زبان بھی سامنے آئے، جن کو روایتی نظریات کا رد عمل کہنا چاہیے۔ رد عمل کے پیش تر نظریات علاقائی نسبت سے پیش کیے گئے، یعنی کسی نہ کسی علاقے کو اردو کی جائے پیدائش قرار دیا گیا، ایسے علاقائی نظریات پر روایتی نظریات کا خاصا اثر نظر آتا ہے۔

## حواشی و حوالہ جات

1. میرامن، باغ و بہار، مرتبہ: ڈاکٹر سلیم اختر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء، ص ۷۱-۷۲
2. شوکت سبزواری، ڈاکٹر، داستان زبان اردو، کراچی: انجمن ترقی اردو، طبع دوم، ۱۹۸۷ء، ص ۳۷
3. Jules Bloch, some problems of Indo Aryan Philology, Bulletin of the school of oriental studies, V:5, London:1928-30, P:727
4. انشا، سید انشا اللہ خاں، دریائے لطافت، مترجم: پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی، کراچی: انجمن ترقی اردو، طبع سوم، ۲۰۱۵ء، ص ۳۱
5. ایضاً، ص ۳۳
6. حافظ محمود شیرانی، مولانا، پنجاب میں اردو، لاہور: کتاب نما، طبع سوم، ۱۹۶۳ء، ص ۵۸

7. سر سید احمد خاں، آثار الصنادید، مرتبہ: حیات رضوی امر وہی، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۱۷ء، ص ۱۸۹-۱۹۰
8. سید قدرت نقوی (مرتب)، لسانی مقالات (حصہ دوم)، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع اول، ۱۹۸۹ء، ص ۱۰
9. شمس اللہ قادری، اردوئے قدیم، کراچی: جنرل پبلیشنگ ہاؤس، طبع دوم، ۱۹۶۳ء، ص ۳۳
10. ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، ادب اور لسانیات، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، طبع اول، ۱۹۷۰ء، ص ۲۰۵
11. مرزا خلیل احمد بیگ، اردو کی لسانی تشکیل، کراچی: ادارہ یادگار غالب، طبع پنجم، ۲۰۱۵ء، ص ۶۱
12. سید قدرت نقوی (مرتب)، لسانی مقالات (حصہ دوم) مذکورہ بالا، ص ۱۰